eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

ساجد اقبال
پی ایچ ڈی سکالر، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
عظمت شہزاد
پی ایچ ڈی سکالر، سرحد یونیورسٹی ،پشاور
وقاراحمد
پی ایچ ڈی سکالر، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی،اسلام آباد

Sajid Iqbal
Ph D Scholar, International Islamic University, Islamabad
Azmat Shahzad
Ph D Scholar, Sahad Unniversity, Pishawar
Waqar Ahmad
Ph D Scholar, International Islamic University, Islamabad

# جاگے ہیں خواب میں : ایک تجزیاتی مطالعہ

## A Critical Review of "Jagay Hain Khwab Mai"

**ABSTRACT:**

Novel "Jagay Hain Khwab Main" by Akhter Raza Saleemi is the most distinctive one among the novels written and produced in the first quarter of the current century. Through introducing different characters, influenced by unconscious _cum_ collective unconscious, the writer covered a time span of 2500 years from old era to the modern one. Along with concepts of the famous psychologist Karl Yung, other topics like philosophy, physics, metaphysics, magical realism, fantasy are also part of this novel. The topics of this very theses titled Jagay Hain Khwab Main presents a thorough analysis of characters and their psychological inclinations.

Beside this technique of writing, plot construction and other formative and artistic elements are also discussed. The way the author made concepts of Yung and Stephen Hawking , parts of the contents of the novel is minutely analyzed critically.

Keywords: Novel, Produce, Technique, Artistic, Analyzed. Characters

اختر رضا سلیمی کا ناول ''جاگے ہیں خواب میں '' اردو ناول کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس ناول میں مصنف نے روایتی اردو ناول کی تاریخی روایت سے انحراف کرتے ہوئے عہد جدید کے دو نفسیاتی نظریوں (لاشعور اور اجتماعی لاشعور) پر اپنے ناول کی بنیاد رکھی ہے ۔ اگرچہ ناول میں طبیعات،ما بعد طبیعات، فلسفہ ،اخلاقیات،تاریخ اور تہذیب کے ضمن میں بھی بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن کہانی کا اصل محور و مرکز اور جوہر یہی دو نفسیاتی نظریات ہیں اور ان میں بھی اجتماعی لاشعور کی مختلف فکری جہتیں پوری کہانی میں متنوع اسلوب میں بکھری ہوئی ہیں ۔
یونگ کے نزدیک انفرادی لاشعور اور اجتماعی لاشعور دونوں ہی انسان کے اندر موجود ہوتے ہیں اور وہ ان سے استفادہ کرتا رہتا ہے ۔ اجتماعی لاشعور کو وہ collective unconscious کا نام دیتا ہے ۔ ۔ اجتماعی لاشعور کسی بھی قوم کی لوک کہانیوں ، شاعری ،موسیقی،ادب اور فنون لطیفہ میں پایا جاتا ہے ۔ خواب میں دکھائی دینے والے واقعات کا فرد کی انفرادی زندگی سے اتنا تعلق نہیں ہوتا جتنا کہ اجتماعی زندگی سے ہے ۔ دراصل خواب کے واقعات کا تعلق اساطیر اور اجتماعی لاشعور سے جڑا ہوتا ہے ۔ فرائیڈ کہتا ہے کہ ہمارے خواب ہمارے ماضی کی وہ خواہشات ہیں جو دبا دی گئیں ۔ فرائیڈ خواب کو محض ماضی سے جوڑتا ہے جب کہ یونگ کے نزدیک ان کا تعلق مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے بھی ہو سکتا ہے ۔ انسانی لاشعور دانائی کا حامل ہے ۔ یہ خواب کی صورت میں ہمارے مستقبل کا رہنما بن سکتا ہے ۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر

''(اجتماعی لاشعور)یہ انفرادی تجربات سے ماورا قوم اور ملت کے ان مخصوص رجحانات کا آئینہ دار ہے جن کی تشکیل میں
صدیاں حصہ لیتی ہیں ۔ اس لیے اسے(ذاتی) کا الٹ بتایا گیاہے ۔ اجتماعی لاشعور سب میں مشترک ہوتا ہے ۔ ایک بچہ
جب کسی نسل میں جنم لیتا ہے تو حیاتیاتی اور تاریخی لحاظ سے بعض خصاءص اور اوصاف اسے اس بنا پر ورثے میں ملتے ہیں
کہ وہ اس مخصوص نسل سے تعلق رکھتا ہے ۔ اور جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا جائے گا تو اس کے ذاتی تجربات کے ساتھ ساتھ اجتماعی
لاشعور کے بعض خصاءص بھی شعور میں آ جاتے ہیں. '' (۱)

یونگ کا کمال یہ ہے کہ و ہ اپنے نظریے کو انتہائی مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کرتا ہے کہ کچھ ابہام باقی نہیں رہتا اور صورت حال آئینہ ہو جاتی ہے ۔
" The true history of mind is not preserved in learned volumes
but
in the living mental organism of everyone."(2)

اختر رضا سلیمی نے اجتماعی لاشعور کے تصور کے ضمن میں اپنے ذاتی تجربے کو ناول کا محرک قرار دیا ۔ وہ ایک دفعہ مری کے نواح میں ایک پہاڑی چشمے کے قریب سے گزرے

تو انہیں ایسا لگا کہ یہ مقامات ان کے دیکھے بھالے ہیں اور وہ ان جگہوں سے شاید پہلے بھی گزر چکے ہیں اور ان سے آشنا ہیں ۔ وہ کہتے ہیں

''اس کے بعد یہ واقعہ مجھے خواب میں بار بار دکھائی دینے لگا ۔ میں نے شاعر ہونے کے ناطے اس پر نظم لکھنے کی کوشش
کی لیکن پھر احساس ہوا کہ ایک نظم سے کام نہیں چلے گا ۔ بس یہیں سے ناول کا بیج بویا گیا ۔ ''(۳)

یہ ناول زمانوی اعتبار سے بہت وسیع کینوس رکھتا ہے ۔ ماضی ،حال اورمستقبل کی کڑیوں کو ملانے کے لیے زمان(اسم بامسمیٰ)جیسے کردار کو پیش کیا گیا ہے۔جیسی معنویت اور وسعت اس کردار کے نام میں ہے ویسی ہی وسعت اور معنویت اس ناول میں بھی موجود ہے ۔ طبیعات،فلسفہ،نفسیات اور مافوق الفطرت عناصر کے اصول و تصورات سے ہی ہماری قدیم اور جدید زندگی فروغ پذیر رہی ہے اور ہے ۔ زمان و مکاں کا سفر اس ناول میں اگرچہ خواب کے ذریعے طے ہوتا ہے لیکن شعور کی رو ناول کی کڑیوں کو بکھرنے نہیں دیتی ۔
دریائے کنہار اور ہرو کے اس پار کی زندگی کو ناول نگار نے تہذیب اور جدید سائنسی اور نفسی نظریات سے ایسے مزین کیا ہے کہ ہم ایک لمحے میں کئی ہزار سال پہلے کی زندگی اور جدید زندگی کو ایک ساتھ دیکھ پاتے ہیں ۔
ناول کی کہانی مرکزی کردار زمان کے پس منظر سے جنم لیتی ہے جو کسی زمانے میں ایک خوبرو ماہ نور کے عشق میں مبتلا تھا ۔ کچھ واقعات نے زمان کو اس سے دور کر دیا لیکن شعوری طور پر وہ ماہ نور سے جدا نہ ہو سکا اور اپنے گاؤں نور آباد آ کر اس طرح کی محبت ایک پہاڑی سے کرنے لگا ۔ چاندنی راتیں خاص طور پر اسے مسحور کر دیتیں اور اس کے قدم بے ساختہ اس پہاڑی کی طرف اٹھنے لگتے ۔ گاؤں کے لوگ زمان کی پہاڑ سے محبت اور کچھ دیگر واقعات سے اثر پذیر ہو کر اسے ولی اللہ سمجھنے لگتے ہیں ۔ پہاڑی کے تمام دلکش مناظر کو وہ بارہ سال پہلے بعینہ اسی صورت میں خواب میں بھی دیکھ چکا تھاجس طرح وہ انہیں آج دیکھ رہا ہے ۔

''بارہ سال قبل یہاں پہلی مرتبہ آنے سے پہلے وہ یہ منظر خواب میں دیکھ چکا تھا ۔ خواب میں پہلی دفعہ اس نے
یہ منظر ان دنوں دیکھا تھا جب وہ یونیورسٹی میں طبیعات کا طالب علم تھا ۔ ۔ ۔ یہ ایک مختصر اور مبہم سا خواب تھا ۔
اس نے دیکھا کہ وہ ایک غار کی چھت پر لیٹا خلا وَں میں گھوم رہا ہے ۔ ''(۴)

زمان جس طلسمی ماحول سے محبت کرتا ہے ، اس میں غار،پہاڑ،چیڑھ اور دیودار کے درخت،ہتھیلی،ریت،لیس دار مادہ جیگن اور دیگر معنویت سے بھرپور علامات سے کام لے کر ناول نگار خواب کی مسافرت کے ذریعے صدیوں کا فاصلہ طے کراتا ہے ۔ شروع میں زمان کے نفسی رویے کو صرف ایک شخص ہی سمجھ سکتا ہے جس کا نام عرفان ہے ۔ عرفان سے اس کی گہری رفاقت انہیں بہت دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو کا موقع دیتی ہے ۔ زمان جو خواب میں دیکھتا وہ کچھ عرصہ بعد حقیقت میں پیش آ کر رہتا ۔ بالکل اس کے لکڑ دادا ظفر علی خان کی طرح انہیں بھی پہاڑ کی غار کے چبوترے سے محبت تھی ۔ وہ بھی چاندنی راتیں

وہیں بسر کرتے ۔ ان کے خواب بھی سچے ہوتے تھے اور وہ بھی کئی سو سال پہلے کی تحریروں کو پڑھ کر اس کے مفہوم تک پہنچ جاتے تھے ۔ ۵۰۰۲ کے زلزلے میں وہ کومہ کی کیفیت میں چلا جاتا ہے ۔ اس حالت میں بھی وہ ایک خواب سے ہم کنار ہوتا ہے ۔ اور یہ خواب اتنا طولانی اور اثر آفریں ہوتا ہے کہ ہوش میں آجانے کے بعد بھی وہ اس کے اثرات سے نہیں نکل پاتا اورایک نئی طرح کی کیفیت جس کے تحت اس کا جینیاتی حافظہ ،لاشعور میں اثر دکھانے لگتا ہے اور اصل ماضی تحت الشعور میں منتقل ہو جاتا ہے ۔ زمان کا اپنی موت کا خواب بھی حقیقت بن کر رہا ۔ وہ موت کی مستی میں بھی خواب دیکھتا ہے ۔ ازل اور ابد کو وحدت کے روپ میں دیکھتا ہے اور خواہش کرتا ہے کہ

''کاش میں اس خواب سے کبھی باہر نہ نکل پاؤں ۔''

ناول کا اختتام ایک ہزار نوری سال کے بعد کے منظر پر ہوتا ہے اور منظر وہی ہے جو ایک ہزار نوری سال پہلے تھا ۔ اس ناول کا سب سے بڑا اور بنیادی پہلو وقت کے بہاوَ کا ہے ۔ اور اس کی مستقیم صورت کے بارے میں ہے ۔ کیا ہم وقت کے بہاوَ کے ساتھ بہنے پر مجبور ہیں ۔ یا اسے غیر مستقیم رخ بھی دیا جا سکتا ہے ۔ ناول نگار کے ذہن پر سٹیفن ہاکنگ کی تھیوری اثر انداز ہوئی ہے ۔ اسٹیفن ہاکنگ لکھتا ہے

''وقت کے کم از کم تین پہر ہیں ۔ پہلا تو وقت کا تھرموڈائنامک پہر ہے جو وقت کی وہ سمت ہے جس میں بے ترتیبی
بڑھتی ہے ۔ پہر وقت کا نفسیاتی تیر ہے ۔ یہ وہ سمت ہے جس میں ہ میں وقت گزرتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور ہم ماضی کو
یاد رکھتے ہیں ۔ اور آخر میں وقت کا کائناتی تیر ہے ۔ یہ وقت کی وہ سمت ہے جس میں کائنات سکڑنے کی بجائے پھیل
رہی ہے ۔ نیز یہ کہ وقت کی سمت کا ہمارا موضوع احساس یعنی وقت کا نفسیاتی تیر ہمارے شعور میں وقت کے تھرمو
ڈائنامکس سے متعین ہوتا ہے اور کمپیوٹر کی طرح ہم چیزوں کو ترتیب میں یاد رکھتے ہیں جس میں اینٹروپی بڑھتی ہے ۔ ''(۶)

ناول میں سٹیفن ہاکنگ کے طبیعاتی نظریات کی بو باس بالکل واضح ہے لیکن ساتھ ساتھ ما بعد طبیعات اور نفسیات سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا ہے ۔ اکیسویں صدی میں زمان کا ڈھائی ہزار سال پہلے کے تناظر میں موجود رہنا اور پھر ماضی سے حال اور پھر مستقبل کی طرف اس کی جست مذکورہ بالا تمام علوم و نظریات کا فہم بھی عطا کرتی ہے اور حیرت میں بھی مبتلا کر دیتی ہے ۔ اور یہی حیرت دلچسپی کا سامان پیدا کرتی ہے ۔ قاری کو پورا ناول پڑھنے پر مجبور کر دیتی ہے ۔ ناول نگار اپنے خیالات کی تصدیق کے لیے اصحاب کہف کے اساطیری واقعات کی طرف رجوع کرتا ہے ۔

''وہ کافی دیر تک ان لوگوں کے بارے میں سوچتا رہا جو کئی سو برس تک ایک غار میں سوئے پڑے رہے تھے ۔
اور جب جاگے تو انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنے سال حالتِ خواب میں رہے ۔ یہاں تک کہ ان کا دھیان
اپنے کتے کی طرف گیا جس کی ہڈیاں بھی گل چکی تھیں ۔ ''(۷)

اس ناول میں اختر رضا سلیمی جس قسم کا بیانیہ پیش کرنا چاہتے تھے وہ انتہائی دقیق اور دور ازکار تھا ۔ کئی واقعات ایسے ہیں جو تاریخ کی دھول میں اٹے ہوئے ہیں ۔ ان کی بازیافت کو معمول اور مانوسیت کے خطرے سے بچا کر نئے پیرائے میں پیش کر کے ان کے لسانی بیان کو سامنے لانا تھا ۔ سید احمد بریلوی ،کرنل ہیبٹ، مہا راجہ اشوک،آنندوغیرہ سے جڑی تاریخ اور ان سے وابستہ بیانیہ اتنا متنوع ہے کہ اس کی ہزار تعبیریں کی جا سکتی ہیں ۔ ہندوستانی تاریخ کا بیانیہ انہی تعبیروں کی داستان سناتا ہے لیکن اختر رضا سلیمی بیان کنندہ کے طور پر ایک خاص سمت اور لہجے میں بیانیہ پیش کرتے ہیں ۔ ان کا اندا زسادہ، سلیس اور عام فہم ہے ۔ حتی کہ آنند کے فلسفے کو بھی ایسے دلپذیر پیرائے میں ڈھال دیتے ہیں جسے عام سطحی ذہنیت کا قاری بھی جذب کر لیتا ہے ۔ زندگی موت اور وقت کے ساتھ ان کی کش مکش کی تثلیث کو کہانی کے مرکز میں لا کھڑا کرنا اور ان کی حیثیت اور حقیقت کے بارے میں معنی خیز سوالات ایسے اٹھانا کہ وہ روایتی سوال نہ رہیں ، ایک مشکل کام تھا ۔ یوں ہر بیانیہ ایک بیان بن سکتا ہے جسے کہانی کے اختتام تک نبھانا بڑا مشکل ہوتا تھا ۔ لیکن اختر کی فنی مہارت نے اسے ممکن بنا دیا ۔اسی لیے صلاح الدین درویش نے لکھا کہ

''اگر کوئی قاری کسی گنجلک بیانیے کو سادہ بیانیہ اسلوب میں پڑھنے کی آرزو رکھتا ہے تو میرا مشورہ ہے کہ وہ

علی عباس جلالپوری کو پڑھے یا اختر رضا سلیمی کے ناول کو''(۸)

اختر رضا سلیمی کے اس ناول میں ہم ان کی شاعرانہ قابلیت کو واضح طور پر محسوس کر سکتے ہیں ۔ تخیل کی دنیا کا کوئی مقام اور کنارا نہیں ۔ یہ بیکراں وسعتوں سے تعلق رکھتی ہے ۔ لیکن ناول کا فن تخیل کی ایسی بلند پروازی کی اجازت نہیں دیتا کہ زمین نظروں سے اوجھل ہو جائے اور زندگی کہیں دور منہ دیکھتی رہ جائے ۔ اس کہانی میں ناول نگار کا کمال یہ ہے کہ وہ شاعرانہ انداز میں واقعات کو تخیل کی سطح پر لا کر ان کے معنوی امکانات کے کئی پہلو سامنے لے آ یا ہے ۔ پھر وہ جس موضوع کو لے کر چلے ہیں اس میں سب کچھ کرنے کی گنجائش موجود تھی ۔ ''جاگے ہیں خواب میں '' میں اس گنجائش سے خوب فائدہ اٹھایا گیا ہے ۔ اس ناول میں شامی ، ذائقی، عضلاتی، سمعی اور لامسی حسیات کے نقوش کا مینا بازار لگا ہوا ہے ۔ ناول میں بہت تنوع ہے ۔ ہر واقعہ ایک مصرعے کی طرح دلچسپ اور پر لطف ہے لیکن وحدت کے رنگ میں گندھا ہوا ہے ۔ آٹھ ابواب پر مشتمل یہ ناول بہت سے تصوارت،خیالات، افکار اور واقعات کو لے کر چلتا ہے ۔ ڈھائی ہزار سالہ قدیم تاریخ سے جدید عہد تک ایک ایسا سفر ہے جو مستقیم نہیں بلکہ اس کی سمت نمائی غیر متعین ہے ۔ ناول نگار کا بنیادی مقصد شاید وقت کے آر پار دیکھنا تھا ۔ لیکن کیونکہ ہم وقت کے حوالے سے مستقیم صور ت حال کے عادی ہیں لہذا استعجاب کی سی حالت سے گزرنا پڑتا ہے ۔ کمال یہ ہے کہ اس تمام صورت حال کو وحدت کی لڑی میں پرو دیا گیا ہے ۔

شاعرانہ علامتوں کی مانند اختر نے کرداروں کی معنویت کو ناموں سے اجاگر کیا ہے ۔ زمان کئی زمانوں کی داستان ہے ۔ ماہ نور ہر تنگ و تاریک راستے میں مینارہء نور ہے ۔ قبرستان میں پہنچ کر زمان کے ذہن میں اس کی قبر کا خیال اورتمنا اس کے علامتی تشخص کو خوب واضح کرتا ہے ۔ عرفان کی عرفانیت اس کے دلائل و براہین سے نکھرتی ہے ۔ وہ زمان کو حیات و کائنات کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے ۔ موت ، لاشعور خواب اور بیداری سے ہوتے ہوئے کائنات کی حقیقت اور وسعت کا سوال اور پھر انسانی وجود پر قوانینِ فطرت

کی عملداری کے بارے میں تمام خیالات عرفان کی عرفانی ذات سے جڑے ہوئے ہیں ۔ گویا حقیقی دنیا کی تجسیم نگاری کے لیے عرفان کو استعمال کیا گیا ہے ۔
زمان و مکاں سے ماورایت شاعری اور فلسفہ کا پسندیدہ موضوع رہا ہے ۔ کئی فکری رجحانات،تصورات اور خیالات شاعرانہ بیانات کا حصہ بنتے ہیں ۔ ناول میں ان کا تجربہ اسی سلسلے کی ایک کاوش ہے ۔ بقول محمد اظہار الحق

''اختر رضا سلیمی نے زمان و مکاں سے ماورا ہو کر ناول میں ایک نیا تجربہ کیا ہے ۔ اور ناول کے تالاب میں وہ کنکر
پھینکا ہے کہ ارتعاش تھم ہی نہیں رہا ۔ ''(۹)

ناول کے پلاٹ میں متنوع تکنیکوں کا استعمال کیا گیا ہے ۔ فلیش بیک کی تکنیک سے فائدہ اٹھا کر اختر رضا سلیمی نے جدت سے قدامت تک کے تصورات کے سفر کو بنا کسی پیچیدگی کے پیش کر دیا ہے ۔ گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف دوڑانا اور بعینہ واقعی صورت حال کو آئینہ کر دینا ناول نگار کا کمال ہے ۔ اختر رضا سلیمی نے یہ کام خواب کے ذریعے کیا ۔ اور اس ضمن میں انہوں نے فراءڈ اور یونگ کے نظریات سے فائدہ اٹھایا ۔
پیش گوئی کی تکنیک کے ذریعے زمان اور ظفر علی کے واقعات کو بطور گواہ لایا گیا ۔ یہاں بھی خواب کے واقعات کو بطور ہتھیار استعمال کر کے مقصد حاصل کیا گیا ۔ نیز بیداری کی حالت میں بھی کرداروں کے شعوری منظم عمل کے ذریعے صورتِ احوال کو بیان کیا گیا ۔ قدیم بمعنی جدید کی تکنیک کا استعمال کرتے ہعئے اختر رضا سلیمی نے مذہبی تمثیلات، اساطیر دیو مالا ثقافتی و تہذیبی روایات اور اقدار کو نئی معنویت کے ساتھ پیش کیا ۔ کہانی سے جڑے تمام واقعات اور کردار ہ میں نئی تفہیم و تعبیر سے آشنا کرتے ہیں ۔ ڈاکٹر فاروق کی زمان سے گفتگو اور اس گفتگو کا نفسیاتی تجزیہ اس تکنیک کے ضمن میں بڑا اہم ہے ۔ ڈاکٹر فاروق کے الفاظ غور طلب ہیں ۔ بظاہر یہ واقعہ ماورائی لگتا ہے لیکن اس کی تعبیر نئی معنویت سے آشنا کر دیتی ہے ۔

''جب وہ کومے میں گیا تو اس کا شعور جاگ گیا ۔ اور اس نے ایک طویل خواب دیکھا ۔ گویا یہ خواب ایک عام سی بات ہے
لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ خواب اس کا ماضی ہے ۔ ہمارے نقطہ نظر سے وہ بے ہوش ہو گیا تھا اور اب بظاہر وہ ہوش میں آ گیا
ہےلیکن اس کے نقطہ نظر سے ایسا نہیں ہے، اس نے جو کچھ بند آنکھوں سے دیکھا اور اب جو کچھ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا
ہے ۔ اس کا ذہن ان دونوں میں تفریق نہیں کر پا رہا ۔ چونکہ وہ اپنا ماضی بھول چکا ہے اس لیے اس نے جو کچھ خواب میں
دیکھا وہ اس کےلیے مانوس اور جانا پہچانا ہے ۔ لیکن اب جو کچھ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے وہ اس کے لیے اجنبی ہے ۔ ''(۱۰)

غالب کے شعر سے زمان کے عدم تک کے سفر کی اکثر کڑیاں روایتی تصورات کو نئی معنویت سے ہم کنار کرتی ہیں ۔

''شاید عدم زیادہ ممکن الوجود ہے ۔ موجود نہ ہونا موجود ہونے سے زیادہ قرین قیاس اور قابل فہم ہے ۔ ''(۱۱)

''ٹھیک ایک سال بعد ہزاروں نوری سال کی دوری سے آتی روشنی کی لہروں نے دیکھا کہ ماریہ حویلی کے صحن میں بچھے پلنگ
پر سوئی پڑی ہے اور اس کے پہلو میں تین ماہ کا بچہ اپنی ماں کی موجودگی سے بے خبر ستاروں بھرے آسمان میں نظریں جمائے
یوں ہاتھ مار رہا ہے جیسے ہر آن دور جاتے ستاروں کو پاس بلا رہا ہو ۔ ۔ ۔ ۔ جب کہ اس کی ہتھیلی میں پیدائشی طور پر مندمل ہو
چکے زخم کا باریک سا نشان موجود ہے ۔ ''(۱۲)

گویا قدیم بمعنی جدید کی تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے اختر رضا سلیمی نے روایتی تصورات کی ردِ تشکیل کر دی ہے ۔

اس ناول کے پلاٹ کو روایتی طریقہ ہائے کار سے ہٹ کر دیکھنے کی ضرورت ہے ۔ جاگے ہیں خواب میں کہانی ابتدا ہی سے بے ترتیبی اور الجھاوَ کا شکار نظر آ تی ہے ۔ بدلاوَ کی ہر کیفیت نئی صورت پذیری میں ڈھل جاتی ہے ۔ حتیٰ کہ پانچویں باب خواب در خواب سے کہانی کی ترتیب اور سلجھاوَ کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور بالکل اختتام پر ہم پر سب حقیقت آئینہ ہو جاتی ہے ۔ بے ترتیبی سے سلجھاوَ اس کہانی کے پلاٹ کا خاص وصف ہے ۔

کردار نگاری کے ضمن میں اختر رضا سلیمی کے کردار عام کردار نہیں ہیں ، فکری دانش مندی، مذہب و سیاست سے دلچسپی، حقیقت و عرفان کی جذب انگیزی اور نفسیاتی الجھاوَ ا ن کے تخلیق کردہ کرداروں کے اہم اوصاف ہیں ۔ ''جاگے ہیں خواب میں ''کے جتنے بھی کردار ہیں وہ یا تو تاریخی لحاظ سے اہم ہیں یا پھر نفسیاتی الجھنوں کے لحاظ سے فکر انگیز ہیں ۔ تاریخی کرداروں میں وہ بیانیے کی سطح پر کوئی جبر روا نہیں رکھتے ۔ بل کہ کرداروں کے بدون میں اتر کر ان کی نئی تشکیل کی کوشش کرتے ہیں ۔ اسی وجہ سے ان کے ناول میں جدت اور تنوع کا احساس ہوتا ہے ۔ انہوں نے قدیم تہذیب و ثقافت کی جڑوں کو کرداروں کے ذریعے تلاشا ہے ۔ اور ان کو حال اور مستقبل سے اس طرح مربوط کر دیا ہے کہ زمانوی بُعد مٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے ۔ وہ کرداروں کو انتہائی اچھوتے انداز میں ماضی اور حال کے درمیان کی ایک کڑی کے طور پر استعمال کر کے دلچسپی پیدا کر دیتے ہیں ۔ کرنل ایبٹ ، سید احمد شہید،ظفر علی خان، نور خان، آنند، مہاراجہ اشوک وغیرہ دراصل ماضی اور حال کو مربوط کر دینے والی کڑیاں ہیں ۔ نئی زندگی کی ترجمانی اور پیچیدگی کو پیش کرنے کے لیے زمان کو مرکزی کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے ۔ تمام کہانی کا تانا بانا اسی کے گرد بناُ گیا ہے ۔ یہ کردار دراصل نفسیاتی کردار نگاری کے نئے تجربے کی صورت میں انتہائی جاندار کردار کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ناول میں اس کردار کی داخلی اور خارجی الجھاوَ کو بہت گہرائی اور گیرائی سے واشگاف کیا گیا ہے ۔ خالد محمود سامٹیہ لکھتے ہیں

''جاگے ہیں خواب میں ، کا مرکزی کردار زمان بھی ایک ایسا ہی کردار ہے جو اپنے خاندان کے کچھ افراد سے کئی لحاظ سے مختلف
اور کچھ افراد سے گہری مماثلت رکھتا ہے اور پیدائش ہی سے کچھ ایسی خصوصیات کا حامل ہے جو اسے کچھ خاندانی افراد سے منفرد
کرتی ہیں تو کچھ کے قریب،باول کا مرکزی کردار زمان جس کے گرد ناول کی کہانی گھومتی ہے،ہری پور کے گاؤں نور آباد میں

پیدا ہوا ۔ نور آباد اس کے خاندان کے جدِ امجد نے بسایا تھا ۔ نور آباد میں قیام کے دوران زمان بار بار ایک خواب دیکھتا ہے اور
پورا ناول زمان کے اس خواب کے گرد گھومتا ہے ۔ ‘‘(۱۳)

اگر اس ناول کو جادوئی حقیقت نگاری کے ذیل میں پرکھا جائے توزمان کا کردارپر اسراریت اور ناقابلِ یقین بیانیے کی صورت میں ابھرتا ہے ۔ عقلی اور روحانی طور پر چیزیں زمان سے وابستہ ہیں اور ناقابل یقین کو جس طرح یقین میں بدلتی ہیں پلاٹ انہی کے سہارے آگے بڑھتا ہے ۔ اور جادو کی سی فینٹیسی قاری کی دلچسپی کو قائم رکھتی ہے ۔ انسان، کائنات،ماحول،تہذیب اور مناظر کو زمان کے کردار سے انتہائی فنکارانہ انداز سے وابستہ دکھایا گیاہے ۔ یہ ناول نگار کا کمال ہے کہ یہ پراسراریت اور غیر منطقیت بھی اجنبی دکھائی نہیں دیتی ۔ زمان کے کردار کے ساتھ تصورِ زماں کو جس طرح شعور کے سامنے غیر مؤثر عامل کے طور پر لایا گیا تو اس تصور کو نبھانے اور مختلف سوالات کے منطقی جوابات تلاشنے کے لیے ایک معاون کردار کی ضرورت تھی جس کے لیے عرفان کا کردار بہت موزوں ثابت ہوا ۔ عرفان اپنے نام کی مانند عرفانیت کی دنیا کا شہ سوار ہے ۔ یہ ایسے ایسے استدلالی جواہر ریزے ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے کہ عقل انہیں تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے ۔ مذہب، تاریخ، سائنس، کیمیاعلم نجوم و ادب پر بے لاگ گفتگو کر سکتا ہے لیکن عام لوگوں کی نظروں میں مشکوک ٹھہرتا ہے ۔ حتیٰ کہ ماہ نور کے دل میں زمان کی محبت کو بھی عرفان کے کالے علم کا شاخسانہ قرار دیا گیا ہے ۔ زمان کے شکوک و شبہات اور اضطرابی سوالات کا حل عرفان کے ہاں حسیاتی طور پر دکھایا جاتا ہے لیکن یہ کردار بہت جلد نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ لینے ڈاکٹر مسیح الدین فاروقی متحرک ہو جاتے ہیں ۔ یہ ماہرِ نفسیات ہیں اور کہانی کے اختتام تک تمام معنوی کڑیوں کو ملانے کا کام کرتی ہے ۔ داکٹر فاروقی کا کردار ایک جاندار کردار ہے ۔ اسی کردار کے باعث ہم حقیقی طور پر کہانی کے بیانیے کو سمجھنے میں کامیاب ہوتے ہیں ۔ ناول میں اس کی موجودگی تمام الجھی ہوئی کڑیوں کو ملاتی ہے اور دھندلی فضا کو آئینہ کی طرح صاف اور شفاف کر دیتی ہے ۔ فاروقی کا تجزیہ دیکھیے

‘‘ان واقعات اور باتوں کا بھی آپ کے آباؤ اجداد سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ ان واقعات کا جن کی آپ نے تصدیق
کی ۔ ۔ ۔ ۔ بالکل یہ آپ کے آباؤ اجداد ہی میں سے کسی نے کندہ کروائی تھی ۔کوئی پچاسی نوے پشت پہلے ۔ آپ اسی
شخص کی اولاد میں سے ہیں ۔ اگر یہ کچھ دن اور کومے میں رہتا توممکن ہے اور بھی بہت پیچھے جاتا ۔ شاید بابا آدم تک ۔ ’ ‘(۱۴)

عرفان اور ڈاکٹر مسیح الدین فاروقی دونوں عوامی کردار ہیں ۔ ان کی سوجھ بوجھ، دانشمندی، جدید فکر اور زندگی سے گہری واقفیت انہیں پر اثر اور متحرک بناتی ہے ۔ ان دونوں کرداروں کے بیانات اور واقعات ناول کے ایک بنیادی نکتے کی وضاحت کرتے ہیں کہ انسان وہی کچھ نہیں جو نظر آ رہا ہے اس کا تعلق خارجی دنیا سے زیادہ باطن سے ہے ۔ اور یقینی طور پر اس کا کوئی نہ کوئی سرا ماضی سے ضرور ملا ہوتا ہے ۔

ظفر علی اور زمان کے کرداروں کی مشابہت اور واقعات کی مماثلت نے فینٹیسی کو جنم دیا ۔ ان دونوں کرداروں میں جو زمانوی بُعد تھا اور جس کے نتیجے میں کہانی پیچیدگی کی طرف جا سکتی تھی اسے نہایت خوش اسلوبی سے حل کیا گیا ۔ ظفر علی خان اور زمان کے کرداروں کے درمیان تاریخی شخصیات کا تار و پود اس طرح بچھایا گیا کہ ان دونوں کرداروں کے سرے آپس میں مل جاتے ہیں اور کہانی کی تفہیم آسان ہو جاتی ہے ۔

اسلوب کی سطح پر اس ناول میں بہت تنوع ہے ۔ اختر رضا سلیمی کی تخلیقی فطرت اس ضمن میں بہت کارگر ثابت ہوئی ہے ۔ انہوں نے داستانوی اسلوب اور شکستہ اسلوب سے زیادہ کام لیا ہے ۔ اسلوب کوئی مصنوعی چیز نہیں بل کہ یہ موضوع ،پلاٹ، تکنیک ، زبان ، واقعہ اور کردار سے فطری طور پر جنم لیتا ہے ۔ اختر رضا سلیمی اس لحاظ سے کامیاب ہیں کہ انہوں نے اپنے تخلیقی تجربے کو بعینہ پیش کر دیا ۔ یہ تخلیقی تجربہ ماضی، حال اور مستقبل کا ایک بیانیہ تھا جس میں متنوع خیالات کو پیش کرنا مقصود تھا ۔ یوں منتشر خیالی سے اپنے بیانیہ میں تفہیم و تعبیر کے نئے امکانات کی راہ دکھانا تھی ۔ ان کی تخلیقی بصیرت نے زبان و بیان کا وہ سانچہ اختیار کیا جس میں سب کچھ کہنے کی گنجائش موجود تھی ۔

خود کلامی نفسیاتی کرداروں کا خاص وصف ہے زمان کے کردار میں اس کے لیے بہت گنجائش تھی ۔ جس سے فائدہ اٹھایا گیا ۔

’’عدم اور وجود میں دوستی;238; ہاں ۔ ۔ ۔ ۔ بالکل ممکن ہے
جیسے اندھیرے اور میرے درمیان دوستی ہے
پہلے میں اندھیرے سے ڈرتا تھا ۔ لیکن اب مجھے اس کی گود میں آکر سکون ملتا ہے ۔ ویسا سکون جیسا کبھی ماہ نور کی بانہوں میں
ملتا تھا ۔ اس نے خود ہی سوال اٹھا کر خود ہی دلائل گھڑے ۔ عدم اور موجود کے درمیان کوئی منطقی پُل موجود نہ سہی ۔ مگر عدم
بھی ایسا ہی ممکن ہے جیسا موجود ۔ شاید عدم زیادہ ممکن الوجود ۔ موجود نہ ہوناموجود ہونے سے زیادہ قرین قیاس اور قابلِ فہم
ہے ۔ایسا سوچتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو ٹٹولا ۔ اسے محسوس کر کے مایوسی ہوئی کہ وہ موجود ہے ۔ ‘‘(۱۵)

تحلیلِ نفسی اور ڈرامائی صورت حال میں جو مکالماتی لہجہ اختیار کیا گیا وہ بہت پر اثر ہے، نہایت معنی خیز ہے ۔ ڈاکٹر فاروقی اور عزیز خان کے مابین ہونے والی گفتگو اس کی بہترین مثال ہے ۔ نفسیاتی اور فلسفیانہ موشگافیوں کے لیے عمومی طور پر عسیر الفہم زبان استعمال کرنے کا رجحان ہے لیکن اختر رضا سلیمی نے سہل نگاری کو فوقیت دی ۔ وہ علمی اصطلاحات میں نہیں پڑے بل کہ توضیحی بیانیہ انداز میں کہانی آگے بڑھاتے رہے ۔

کہانی میں سانحاتی اور المیاتی واقعات بھی موجود ہیں جن کے لیے درد مندی اور غم انگیز کیفیت کو پیدا کرنا تھا ۔ یہاں بھی مصنف نے اپنے قلم کے جوہر خوب دکھائے ۔ زلزلے کے نتیجے میں آنے والی تباہی اور انسانی لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے عمل کو ان کے درد مند قلم نے انسانی بے مائیگی اور ارزانی کے ذیل میں بیان کر کے نوحے کی سی کیفیت پیدا کردی ہے ۔ کامیاب منظر نگاری کامیاب ناول کی دلیل ہے ۔ زمان و مکاں کا تعین منظر نگاری سے ہی ممکن ہے ۔ آبادیوں کا محل وقوع، ان کی زندگی،موسموں کی کیفیات، فطری مقامات کا بیان، ثقافت کے متنوع رنگوں کی خوبصورتی وغیرہ سب اچھی منظر نگاری کے محتاج ہیں ۔ ناول

میں ان کا بیان جتنا حقیقی، خیال افروز اور گہری وابستگی لے کر آئے گا، قاری کے لیے اتنا ہی تسکین آور اور راحت فزا ہوگا ۔ جاگے ہیں خواب میں منظر کشی کا بیان، مقام اور کہانی کی مناسبت کے ساتھ ساتھ حسب حال ہے لیکن بعض اوقات جزئیات میں پڑ کر اختر رضا سلیمی اس ردھم اور ٹیمپو کو کمزور کر دیتے ہیں جو کہانی کو رواں رکھتا ہے ۔ان کے کینوس میں آنے والے مناظر زندگی سے بھرپور اور مسحور کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں ۔ وہ خیالی اور حقیقی منظر نگاری کا فرق جانتے ہیں ۔ اس ناول میں آنے والا ہر منظر ان کے تجربے کا حقیقی عکس معلوم ہوتا ہے ۔

’’تین روز کی مسلسل برف باری کے بعد آج دوپہر کو مطلع صاف ہونے کے آثار پیدا ہوئے تو چودھویں کے چاند سے
پیدا ہونے والے منظر کے بارے میں سوچ کر سرشار ہو گیا ۔ ظہر کے وقت مغرب کی جانب سے آسمان صاف ہونا
شروع ہوا اور برف سے ڈھکی ہوئی بستی سورج کی پہلی کرنوں کا استقبال کرنے لگی تو اس کا وجود کسی ان دیکھی آگ
سے سلگ اٹھا ۔ اس نے پھاوڑا اٹھایا اور غار کی طرف چل دیا ۔ ‘‘(۱۶)

بحیثیت مجموعی جاگے ہیں خواب میں ناول نگاری کے میدان میں کامیاب تجربے کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس میں کہانی کا روایتی پیٹرن استعمال نہیں کیا گیا ۔ پلاٹ کی تشکیل بھی روایتی نہیں ۔ متنوع تکنیکوں اور منظر نگاری کے رنگا رنگ نقوش نے ناول کو خاصا دلچسپ بنا دیا ہے ۔ زبان و بیان، کردار نگاری اور بیانیے کے پھیلاؤ کے ضمن میں بھی اس ناول کو کامیاب ناولوں کی فہرست میں شمار کیا جا سکتا ہے ۔

## کتابیات


۱ ۔ سلیم اختر،ڈاکٹر، تین بڑے نفسیات دان، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶،ص۱۴۱ ۔ ۱۴۰

۲- Jong, C-G,"Psycology and religion",Yale University press, 1955,P41

۳ -
www.bbc.com/urdu/entertainment/2015/4150408_novel_1001_zis.amp

۴ ۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں ، راولپنڈی: رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز،۲۰۱۷، ص۲۰
۵ ۔ ایضاً، ص۲۴۰
۶ ۔ سٹیفن ہاکنگ، وقت کا سفر(مترجم ناظر محمود) لاہور: روہتاس بک ،۱۹۹۳، ص ۲۰ ۔ ۲۱
۷ ۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں ، ص ۱۰۴
۸ ۔ صلاح الدین درویش، فلیپ، جاگے ہیں خواب میں
۹ ۔ اظہار الحق، فلیپ، جاگے ہیں خواب میں

۱۰۔ اختر رضا سلیمی ، جاگے ہیں خواب میں ، ص ۵۸۱
۱۱ ۔ ایضاً، ص ۳۲۲
۱۲ ۔ ایضاً، ص ۱۴۲
۱۳ ۔ خالد محمود، سامٹیہ، خواب، اجتماعی لا شعور اور اختر رضا سلیمی، راول پنڈی: رومیل ہاوَس آف پبلی کیشنز، ص ۸۵۱
۱۴ ۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں ، ص ۶۸۱
۱۵ ۔ ایضاً ، ص ۳۲۲
۱۶ ۔ ایضاً، ص ۶۱

## Refrences

1. Saleem Akhter, Dr. "Teen Bary Nafsiatdaan", Lahore: Sang e Meel Publications, 2016, P140-141
2. Jong, C-G,"Psycology and religion",Yale University press, 1955,P41
3. www.bbc.com/urdu/entertainment/2015/4150408_novel_1001_zis.amp

---

4. Akhter Raza Saleemi, "Jagy Hain Khwaab Me", Rawalpindi: Romail House of Publications, 2017, P20
5. ibid, P240
6. Stephen Hawking, "Waqt Ka Safar"(mtarjim Nazir Mehmood), Lahore: Rohtaas Book, 1993, P 20-21
7. Akhter Raza Saleemi, "Jagy Hain Khwaab Me",Rawalpindi: Romail House of Publications, 2017, P401
8. Salahuddin Darwesh, Flap, "Jagy Hain Khwaab me"
9. Izhar ul Haq, Flap, "Jagy Hain Khwaab me"
10. Akhter Raza Saleemi,"Jagy Hain Khwaab Me",Rawalpindi: Romail House of Publications, 2017, P185
11. ibid, P223
12. ibid, P241
13. Khalid Mehmood, Samtia, Khwaab, ijtimaee lashaoor aur Akhter Raza Saleemi, Rawalpindi: Romail House of Publications, P158
14. Akhter Raza Saleemi, "Jagy Hain Khwaab Me",Rawalpindi: Romail House of Publications, 2017, P186
15. ibid, P223
16 ibid, P16